© rasailojaraid.com

تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل

(۴)

ایک بڑی غلط فہمی | مطالبۂ دستور اسلامی کی اس جدوجہد کو بعض لوگ اس معنی میں لے لیتے ہیں کہ ہم نے فطری طریقِ انقلاب کو چھوڑ کر مصنوعی طریقے سے ایک اسلامی ریاست بنانے کی کوشش شروع کر دی۔ یعنی ان کے نزدیک ہماری اس جدوجہد کا منشا بس یہ تھا کہ دستور ساز اسمبلی ہمارے کہنے کے مطابق اسلامی اصولوں پر ملک کا ایک دستور بنا دے، اور جب وہ ایسا کر دے گی تو وہ مطلوب چیز وجود میں آ جائے گی جسے ہم اسلامی ریاست و حکومت کہتے ہیں، خواہ معاشرہ اسی جاہلیت میں مبتلا رہے جس میں وہ پہلے مبتلا تھا۔ اس غلط فہمی کی بنا پر وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس موقع پر نظام حکومت کی اصلاح کے لیے جو قدم اٹھایا وہ بالکل غلط سمت میں تھا، اور اس طریقِ انقلاب کے بھی خلاف تھا جو ہم خود تقسیم سے پہلے بیان کیا کرتے تھے۔ اس طریقِ انقلاب کے مطابق تو نظام حکومت کی صحیح اور حقیقی تبدیلی صرف وہی ہو سکتی تھی جو معاشرے کی ذہنی و اخلاقی تبدیلی کے نتیجہ میں رونما ہو۔ لیکن اب ہم معاشرے کی تبدیلی کے بغیر ہی نظام حکومت محض ایک دستور ساز اسمبلی کے ذریعہ سے تبدیل کرانے پر آمادہ ہو گئے، حالانکہ یہ اسمبلی معاشرے کے بگاڑ کی نمائندہ تھی، اور ان بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں کسی اصلاح کا امکان نہ تھا۔ نہ اس امر کا کوئی امکان تھا کہ اس جمہوری نظام میں فاسد معاشرے سے صالح لوگ منتخب ہو کر آئیں اور اصلاح کا کوئی کام کر سکیں۔

یہ بعینہٖ وہی اعتراض ہے جس سے ہمیں مطالبۂ نظام اسلامی کے آغاز ہی میں لادینی ریاست کے داعیوں کی طرف سے سابقہ پیش آیا تھا۔ ۱۹۴۸ء کے اوائل میں جب پہلی مرتبہ یہ آواز اٹھائی گئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست ہونا چاہیئے، تو اُن سب لوگوں نے جو اسے ایک لادینی ریاست دیکھنا اور بنانا چاہتے تھے طرح طرح کے بہانوں اور اعتراضات سے اس آواز کو دبانے کی کوشش کی۔ مثلاً انہوں نے کہا کہ اگر یہاں اسلامی قانون جاری ہوگا تو لاکھوں آدمیوں کے ہاتھ کٹ جائیں گے۔ مگر یہاں ہم اپنی مذہبی حکومت قائم کریں گے تو ہندوستان میں ہندو بھی اپنی مذہبی حکومت قائم کر دیں گے۔ اگر یہاں ہم نے ایک مذہبی حکومت قائم کی تو ہم دنیا بھر میں نکو بن جائیں گے۔ لیکن سب سے زیادہ زور دار بہانا جو یہ لوگ بنا کر لائے تھے وہ یہ تھا کہ بھائی، پہلے معاشرہ تو اسلامی ہو، پھر حکومت بھی آپ سے آپ اسلامی ہو جائے گی، اس بگڑے ہوئے معاشرے میں تم اسلامی حکومت کہاں قائم کرنے چلے ہو۔ اس موقع پر میں آپ کو وہ مکالمہ یاد دلاؤں گا جو مئی ۱۹۴۸ء میں خود مجھ سے ریڈیو پر کیا گیا تھا۔ اس میں لادینی نظریے کے نمائندے کا استدلال یہ تھا:

"ہر ملک کا سیاسی نظام اُس کے باشندوں کے رسم و رواج، اخلاق، عادات، خصائل اور اعتقادات و توہمات کا پرتو ہوتا ہے۔ ریاستی نظام بجائے خود کسی فلسفے یا مذہب کا حامل نہیں ہو سکتا۔ اگر اسے ایسا بنانے کی کوشش کی جائے تو وہ ایک مصنوعی اور عارضی کوشش ہوگی۔ . . . اگر ہم اسلامی ریاست کی تعمیر چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ پاکستان کے باشندوں میں صحیح اسلامی اسپرٹ پیدا کریں اور انہیں دین کی اصلی اقدار سے روشناس کرائیں۔ جب یہ اقدار مضبوط ہو جائیں گی اور ہمارے قومی کیرکٹر میں اسلامی تصوّرات پوری طرح سرایت کر جائیں گے، اس وقت ہمارا سیاسی نظام خود بخود اسلامی رنگ اختیار کر لے گا۔ ہم اس وقت تک اسلامی ریاست کی داغ بیل نہیں ڈال سکتے جب تک ہماری روحانی، شخصی اور سماجی زندگی میں اسلامی روایات پوری تابندگی سے جلوہ گر نہ ہوں۔ میری نظر میں وہ وقت ابھی بہت دور ہے۔ جب ہم مکمل اسلامی تصوّرات قبول کر لیں گے۔ اس لیے اسلامی ریاست کو قائم کرنے کی کوششیں پیش از وقت ہیں۔"[۱]

۱؎ ترجمان القرآن [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ وہ سب سے زیادہ دلفریب پھندا تھا جس میں ہمیں پھانسنے کی کوشش کی گئی تھی۔ سنہ ۴۷ء میں ان لوگوں کا استدلال یہ تھا کہ پہلے مسلمانوں کی ایک قومی ریاست قائم ہو جانے دو، پھر اسے اسلامی ریاست میں تبدیل کرنے کی کوشش کر لینا۔ اس دلیل سے انہوں نے فطری انقلاب کے اُس راستے کو قبول کرنے سے انکار کیا جس پر چل کر مسلمانوں کی قومی ریاست کا قیام اور اسلامی ریاست کا قیام آپ سے آپ ایک ساتھ واقع ہوتا۔ اب جب کہ وہ قومی ریاست قائم ہو گئی تو ان کا دوسرا استدلال یہ تھا کہ اِس وقت چونکہ معاشرہ اسلامی نہیں ہے، اس لیے یہاں ایک لادینی جمہوری ریاست ہی قائم ہونی چاہیئے۔ تم اسلامی ریاست چاہتے ہو تو معاشرے کو بدلنے کی کوشش کرو۔ جب وہ بدل جائے گا تو ریاست بھی بدل جائے گی۔ بالفاظ دیگر ان کا مطلب یہ تھا کہ اس قومی ریاست کو تو معاشرے کی تعمیر لادینی کے اصولوں پر کرنے دو، اور تم اُسی طرح اختیارات اور وسائل کے بغیر اسلامی معاشرہ تیار کرتے رہو جس طرح قومی ریاست کے وجود میں آنے سے پہلے اجنبی تسلط کے دور میں کر رہے تھے۔ تعجب یہ ہے کہ اُس وقت تو لادینی کے حامی ہمیں اس پھندے میں پھانسنا چاہتے تھے۔ مگر اب خود دینی نظام کے بعض حامی ہم سے کہتے ہیں کہ تم اس پھندے میں پھنس کیوں نہ گئے؟

اس معاملے میں ساری غلط فہمیوں کی بنیاد یہ ہے کہ یہ لوگ نہ تقسیم سے پہلے کی پوزیشن اچھی طرح سمجھتے ہیں نہ تقسیم کے بعد کی پوزیشن، اور نہ یہی جانتے ہیں کہ ان دونوں زمانوں میں ہم نے جو کچھ کہا اور کیا اس کا حاصل اور مدعا کیا تھا۔

تقسیم سے پہلے ہم نے فطری انقلاب کا راستہ ایک ایسی مسلمان قوم کے سامنے پیش کیا تھا جو حکومت کے اختیارات نہیں رکھتی تھی، بلکہ حصولِ اختیار کے لیے کوشش کرتے اُٹھ رہی تھی۔ نیز وہ اپنی منزل مقصود اسلامی ریاست بتاتی تھی مگر غلط راستے سے اس کی طرف جانا چاہتی تھی۔ ہم نے اسے بتایا کہ اس منزل تک جانے کا فطری راستہ یہ ہے۔ اس راستے سے آگے بڑھو گے تو اختیارات کا حصول اور اسلامی ریاست کا قیام، دونوں بیک وقت واقع ہوں گے، بالکل اسی طرح جیسے درخت کا بلوغ اور اس میں پھل آنا، دونوں ایک ساتھ طبعی نتیجے کے طور پر واقع ہوتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُس وقت ہماری یہ تجویز مقبول نہ ہوسکی، مسلمان اپنی پوری اجتماعی طاقت صرف حصولِ اختیار کی کوشش پر صرف کرتے رہے، اور بس ہم چند آدمی ہی اس فطری راستے سے انقلاب لانے کی سعی کے لیے رہ گئے۔

تقسیم کے بعد جس چیز سے ہم دوچار ہوتے وہ یہ تھی کہ وہی بے اختیار قوم جسے ہم نے فطری انقلاب کا وہ راستہ دکھانا چاہا تھا، ایک مصنوعی انقلاب کے ذریعہ سے یکلخت بااختیار ہو گئی بغیر اس کے کہ اس کے سامنے کوئی واضح نصب العین ہوتا اور اس نصب العین کے مطابق سیاسی انقلاب کے ساتھ کوئی ذہنی، اخلاقی اور اجتماعی انقلاب بھی رونما ہوا ہوتا۔ اب لامحالہ بااختیار ہو جانے کے بعد اس قوم کو اپنے لیے ایک نظریۂ زندگی اختیار کرنا تھا جس پر وہ اپنی تعمیرِ نو کا آغاز کرتی، جس کے مطابق وہ اپنی تعمیر کے کام میں ملک کے وسائل اور حکومت کے اختیارات استعمال کرتی، جس کے لحاظ سے مردانِ کار تیار کرنے کے لیے وہ تعلیم و تربیت کا انتظام کرتی، جس کے نقشے پر وہ اپنی حیاتِ اجتماعی کی تشکیل اور معاملاتِ زندگی کی انجام دہی کے لیے قوانین بناتی۔ یہ اس قوم کے استعمالِ اختیارات کا وقتِ آغاز تھا اور اسے طے کرنا تھا کہ وہ اپنے ان اختیارات کو کس مقصد کے لیے کس چیز کی تعمیر اور کس چیز کی تخریب میں استعمال کرے۔

اس وقت دو طرح کے امکانات قریب قریب مساوی حیثیت میں موجود تھے۔ ایک امکان اس امر کا تھا کہ یہ مسلمان قوم لادینی قومی ریاست کے راستے پر مڑ جائے اور اس مصنوعی انقلاب کی تکمیل اُس بدترین شکل میں ہو جس کا نقشہ کھینچ کھینچ کر ہم تقسیم سے پہلے اپنی قوم کو اس راستے کے خطرات سے آگاہ کیا کرتے تھے۔ ایک طاقتور گروہ جس کے ہاتھ میں اختیارات کی کنجیاں بھی تھیں، اس قوم کو اسی راستے پر ڈالنے کے لیے زور لگا رہا تھا، اور اس کوشش میں تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے، دوسرے امکان کے دروازے جلدی سے جلدی بند کر دیے جائیں۔ دوسرا امکان یہ تھا اور اس کے لیے اچھے خاصے مواقع موجود تھے کہ اس قوم کو اسلامی ریاست کے راستے پر ڈالا جائے اور لادینی کی جڑیں اس کے معاشرے میں نہ جمنے دی جائیں۔

اس پس منظر کو نگاہ میں رکھ کر اب ملاحظہ فرمائیے کہ جس وقت ہم ۱۹۴۸ء میں دستورِ اسلامی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدوجہد کے لیے اٹھ رہے تھے اُس وقت ہم نے اُن لوگوں کے استدلال کا کیا جواب دیا تھا جو کہتے تھے کہ سردست تو ایک لادینی جمہوری ریاست بن جانے دو، پھر جوں جوں معاشرہ اسلامی بنتا جائیگا، ریاست بھی اسلامی ہوتی چلی جائیگی۔ ابھی ریڈیو کے جس مکالمے کا میں نے ذکر کیا ہے، اس میں جانبِ مخالف کی بات کا جواب دیتے ہوئے میں نے عرض کیا تھا

> آپ نے صحیح فرمایا کہ ایک ملک کا نظام اس کے باشندوں کی اخلاقی و ذہنی حالت کا پرتو ہوتا ہے۔ اب اگر پاکستان کے باشندے اسلام کی طرف ایک پُر زور میلان رکھتے ہیں اور ان کے اندر اسلام کے راستے پر آگے بڑھنے کی خواہش موجود ہے تو آخر ان کی قومی ریاست اُن کے اس میلان اور خواہش کا پرتو کیوں نہ ہو؟ آپ کا یہ ارشاد بھی بالکل درست ہے کہ اگر ہم پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں پاکستان کے باشندوں میں اسلامی شعور، اسلامی ذہنیت اور اسلامی اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مگر میں نہیں سمجھا کہ آپ اس کوشش میں حصہ لینے سے خود ریاست کو کیوں مستثنیٰ رکھنا چاہتے ہیں۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے کی صورتِ حال تو یہ تھی کہ ہمارے اوپر ایک غیر مسلم اقتدار مسلط تھا، اس وجہ سے ہم اسلامی خطوط پر اپنی ملت کی تعمیر میں ریاست اور اس کی طاقتوں اور اس کے ذرائع سے کوئی مدد نہیں پا رہے تھے، بلکہ درحقیقت اس وقت ریاست کا پورا ادارہ اپنے زور سے ہمیں دوسری طرف کھینچے لیے جا رہا تھا اور ہم انتہائی ناسازگار حالات میں اسلامی زندگی کی تعمیر کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ اب جو سیاسی انقلاب ۱۵ اگست کو رونما ہوا ہے اس کے بعد ہمارے سامنے یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ آیا ہماری قومی ریاست اسلامی زندگی کی تعمیر میں وہ حصہ لے گی جو ایک معمار کا حصہ ہوتا ہے، یا وہ طرزِ عمل اختیار کرے گی جو ایک بے نیاز غیر جانبدار کا ہوا کرتا ہے، یا اب بھی وہی پچھلی صورتِ حال برقرار رہے گی کہ ہمیں حکومت کی مدد کے بغیر بلکہ اس کی مزاحمت کے باوجود اسلامی تعمیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا کام کرنا ہوگا؟ اس وقت چونکہ پاکستان کا آئندہ نظام زیر تشکیل ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ایسی ریاست بن جائے جو اسلامی زندگی کی معمار بن سکے۔ ہماری یہ خواہش اگر پوری ہوگئی تو ریاست کے وسیع ذرائع اور طاقتوں کو استعمال کرکے پاکستان کے باشندوں میں ذہنی اور اخلاقی انقلاب برپا کرنا بہت زیادہ آسان ہو جائیگا۔ پھر جس نسبت سے ہمارا معاشرہ بدلتا جائے گا اُسی نسبت سے ہماری ریاست بھی ایک مکمل اسلامی ریاست بنتی چلی جائے گی۔"

اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اس کا جواب میں نے اپنی اُس تقریر میں دیا تھا جو فروری ۱۹۴۸ء میں لا کالج لاہور میں کی گئی تھی۔ میں نے اس میں کہا تھا:

"میں ان سے پوچھتا ہوں کہ یہ ماحول (یعنی اسلامی ماحول جس کے تیار ہونے پر اسلامی ریاست کی بنا ڈالنا موقوف قرار دیا جاتا ہے) تیار کون کرے گا؟ کیا ایک بے دین ریاست جس کی باگیں فرنگیت زدہ حکام اور لیڈروں کے ہاتھ میں ہوں؟ ...... اگر ان کا مطلب یہی ہے تو انسانی تاریخ میں یہ پہلا اور بالکل نرالا تجربہ ہوگا کہ بے دینی خود دین کو پروان چڑھا کر اپنی جگہ لینے کے لیے تیار کرے گی! اور اگر ان کا مطلب کچھ اور ہے تو وہ ذرا صاف صاف اس کی توضیح فرمائیں کہ اسلامی ماحول کی تیاری کا کام کون، کس طاقت اور کن ذرائع سے کرے گا اور اس دوران میں بے دین ریاست اپنے ذرائع اور اقتدار کو کس چیز کی تعمیر میں صرف کرتی رہے گی؟ ...... اسلامی نظام زندگی کی تعمیر ہو یا غیر اسلامی زندگی کی، اگرچہ وہ ہوتی تو تدریج ہی سے ہے، لیکن تدریجاً اس کی تعمیر صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ ایک معمار طاقت اپنے سامنے ایک مقصد اور ایک نقشہ رکھ کر مسلسل اس کے لیے کام کرے ...... یہ پاکستان جب اسلام کے نام سے اور اسلام کے سبب سے مانگا گیا ہے اور اسی بنا پر ہماری یہ مستقل ریاست قائم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئی ہے تو ہماری اس ریاست ہی کو وہ معمار طاقت بننا چاہیے جو اسلامی زندگی کی تعمیر کرے۔ اور جب کہ یہ ریاست ہماری اپنی ریاست ہے اور ہم اپنے تمام قومی ذرائع و وسائل اس کے سپرد کر رہے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس تعمیر کے لیے کہیں اور سے ذرائع اور معمار فراہم کرتے پھریں۔"

"یہ بات اگر صحیح ہے تو پھر اس تعمیر کی راہ میں پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنی اس ریاست کو جو ابھی تک انگریز کی چھوڑی ہوئی کافرانہ بنیادوں پر قائم ہے، مسلمان بنائیں۔۔۔ اس کے بعد ہی صحیح طور پر ہمارے رائے دہندوں کو یہ معلوم ہو گا کہ اب انہیں کس مقصد اور کس کام کے لیے اپنے نمائندے منتخب کرنے ہیں۔۔۔۔۔ دوسرا قدم یہ ہے کہ جمہوری انتخاب کے ذریعہ سے اس ریاست کی زمام کار ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو جو اسلام کو جانتے بھی ہوں اور اس کے مطابق ملک کے نظام زندگی کو ڈھالنا چاہتے بھی ہوں۔ اس کے بعد تیسرا قدم یہ ہے کہ اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی ہمہ گیر اصلاح کا ایک منصوبہ بنایا جائے اور اسے عمل میں لانے کے لیئے ریاست کے تمام ذرائع و وسائل استعمال کیے جائیں۔"[۱]

اُسی زمانے میں مولانا امین احسن صاحب نے اپنی ایک تقریر میں وضاحت کے ساتھ یہ بتایا تھا کہ اگر پاکستان کی قومی ریاست ایک لادینی ریاست بن گئی تو اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ انہوں نے فرمایا تھا:

"جہاں تک مذہب کا تعلق ہے، ایک لادینی جمہوری ریاست کی طرف سے اس کے ساتھ دو ہی طرح کے سلوک کی توقع کی جا سکتی ہے۔ یا تو وہ چشم پوشی اور اغماض کا سلوک کرے گی، یا عناد کی پالیسی اختیار کرے گی۔ تجربہ بتاتا ہے کہ

[۱] "اسلامی قانون" صفحہ ۳۴ - ۳۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ دونوں طرح کے سلوک لادینی حکومتیں دو مختلف طرح کے حالات میں اختیار کرتی ہیں۔ جن ملکوں میں مذہبی احساس کمزور ہوتا ہے وہاں لادینی حکومتیں بالعموم چشم پوشی کی پالیسی اختیار کرتی ہیں اور پیشِ نظر یہ بات ہوتی ہے کہ نظامِ غالب کے تحت یہ ضعیف مذہبی احساس خود اپنی موت مر جائے گا، اس کو مارنے کے لئے ہتھیار اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جہاں مذہبی شعور قومی، اور مذہبی ادارے طاقتور ہوں اور لادینی حکومت محسوس کرتی ہو کہ اس کی جڑیں اس زمین میں اُس وقت تک پوری طرح نہیں جم سکتیں جب تک مذہبی جڑیں اکھاڑ نہ دی جائیں، وہاں وہ پوری طاقت کے ساتھ اس بات کی کوشش کرتی ہے کہ مذہب کا نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑے۔ میرا اندازہ ہے کہ پاکستان کے حالات اسی طرح کے ہیں۔ اس وجہ سے اگر اس ملک میں کسی لادینی ریاست کے قیام کا فیصلہ ہوا تو اس کی تعمیر، مذہب کی تخریب کے بعد ہی ممکن ہو سکے گی اور لادینیت کے آئمہ مجبور ہوں گے کہ اس سرزمین کو تمام مذہبی آثار اور محرکات سے اسی طرح صاف کر دیں جس طرح کمال اتاترک اور اُن کے ساتھیوں نے ترکی کو تمام مذہبی باقیات سے صاف کر دیا تھا۔[1]

اس تشریح سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے کہ جن حالات میں ہم نے اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے مطالبۂ دستورِ اسلامی کو نقطۂ آغاز کی حیثیت سے منتخب کیا تھا اُن میں پیش قدمی کا یہی ایک راستہ صحیح تھا۔ فطری طریق انقلاب کا یہ تصور کہ وہ کوئی ایسا لگا بندھا طریقہ ہے جو ہر جگہ ہر طرح کے حالات میں ایک ہی ڈھنگ پر چلنا چاہیے، سراسر ایک غیر معقول تصور ہے۔ ایک نئی نئی آزاد ہونے والی مسلمان قوم کے اندر انقلاب لانے کا فطری اور معقول راستہ وہ نہ تھا جس پر قبل تقسیم کے حالات میں ہم کام کر رہے تھے، بلکہ یہ تھا کہ ہم آگے بڑھ کر اسے اپنی آزادی و خود مختاری کے استعمال کی صحیح صورت بتائیں، اس کو دوسری گمراہ کن تحریکوں کے اثر میں جانے سے روکیں، اس کے ملک

---

[1] آزادی کے اسلامی تقاضے صفحہ ۲۶-۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ایک غلط اور تباہ کن نظام تعمیر نہ ہونے دیں، اور اس امر کی پوری کوشش کریں کہ اس کے نئے اختیارات اور ذرائع و وسائل ایک تعمیری مصالح میں صرف ہوں۔ ہمارے لیے قبلِ تقسیم کے طریق کار کا کوئی فرق پیش آنا اگر جائز ہو سکتا تھا تو صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ ہم اپنے ان مقاصد میں ناکام ہو جاتے اور ہماری کوششوں کے باوجود ایک بے دین قیادت یہاں قدم جما کر ٹھیٹھ لادینی نظام قائم کر دیتی۔ اب اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہماری یہ جدوجہد بس حکمرانوں سے اسلامی دستور بنا دینے کے مطالبے تک ہی محدود تھی اور اس کے ساتھ معاشرے کی تیاری کا کوئی عنصر شامل نہ تھا، تو یہ اس کے اپنے ہی فہم کا قصور ہے۔ وہ آنکھیں کھول کر دیکھے تو اسے نظر آ سکتا ہے کہ اس جدوجہد کے ذریعہ سے ہم نے پچھلے دس سال کے اندر معاشرے کو کس حد تک فاسد قیادتوں کے بالمقابل ایک صالح قیادت ابھارنے کے لیے تیار کیا ہے، اور سلبی اور ایجابی دونوں حیثیتوں سے مخالفِ دین اثرات کی روک تھام اور موافقِ دین اثرات کو پھیلانے کی کتنی خدمت انجام دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مطالبۂ دستور کی جدوجہد کے اصل مخاطب حکمران گروہ کے لوگ سمجھے ہی نہیں۔ اس کے مخاطب تو اس ملک کے عوام تھے اور ان کی رائے کو نظامِ اسلامی کے حق میں ہموار کر کے ہم لادینی کے ان طوفانوں کا مقابلہ کر سکے ہیں جو آپ سب کی آنکھوں کے سامنے کیسی کیسی قوت کے ساتھ اٹھ کر اس ملک پر چھا جانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اگر ملک کی رائے عام کو اس حد تک تیار کر دینا کہ بے دینی اپنی ساری سیاسی طاقت اور اپنے سارے ذرائع کے باوجود یہاں فیصلہ کن اقتدار حاصل نہ کر سکے، اور اگر اقتدار کی ساری مزاحمتوں کے علی الرغم اسلامی نظام کی حمایت میں ایک ایسی منظم طاقت پیدا کر دینا جو دفاع اور ہجوم، دونوں کا بل بوتا رکھتی ہو، اور جس کے ساتھ ہر شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے عناصر وابستہ ہوں، اس کا نام معاشرے کی تیاری نہیں ہے تو میں اس طرح کے خیالات رکھنے والوں سے گزارش کروں گا کہ براہِ کرم وہ ہمیں وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ معاشرے کی تیاری کا تصوّر ان کے ذہن میں آخر ہے کیا، اور اس تصوّر کے لحاظ سے کس چیز کو معاشرے کی تیاری کہا جا سکتا ہے اور کسے نہیں کہا جا سکتا۔

معاشرہ پیرو دستور [illegible] بات سے نفرت رہی ہے کہ جماعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی کے کارناموں کو گنا یا جائے۔ میں ہمیشہ اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ جو کچھ ہم سے نہیں ہو سکا ہے اسے ہم نمایاں کر کے اپنے کارکنوں کے سامنے رکھیں تاکہ ان میں مزید محنت و سعی کرنے کا ولولہ پیدا ہو، اور اس چیز کی حوصلہ شکنی کرتا ہوں کہ جو کچھ ہم نے کیا ہے اسے فخر کے ساتھ بیان کیا جائے اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ کارکن اپنی جگہ مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں۔ لیکن جب ہمیں سابقہ اس طرزِ بحث سے پیش آجائے کہ جو کچھ جماعت نے فی الواقع کیا ہے اس کی نفی کی جا رہی ہو، اور اس نفی سے بھی مقصود محض نفی نہ ہو، بلکہ استدلال یہ ہو کہ تقسیم کے بعد ہماری جدوجہد سرے سے غلط راستے ہی پر پڑ گئی، اور اس پر مزید استدلال یہ ہو کہ ہم اِس وقت تک کے سارے نتائجِ عمل کو مہمل قرار دے کر قبلِ تقسیم کی حالت کی طرف الٹی زقند لگائیں، تو مجھے مجبوراً اس کام کو پیش کرنا پڑتا ہے جو پچھلے دس سال میں اس نئی پالیسی کے تحت انجام دیا گیا ہے:۔

— تقسیم کے وقت ارکانِ جماعت کی کل تعداد ۳۸۵ تھی۔ آج ۱۲۷۲ ہے[1]۔ جماعت میں ارکان کے داخلہ کا جو طریق کار ہے اسے دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انسانوں کی کتنی کثیر تعداد تک پہنچ کر، اور ان کو کس حد تک متاثر کر دینے کے بعد یہ ۹ آدمی اس تحریک میں رکن کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے ہمیں حاصل ہوئے ہوں گے۔

— متفقین کی تعداد اُس وقت ہزار بارہ سو سے زیادہ نہ تھی آج ۲۵ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ جماعت میں متفقین کی بھرتی کا جو طریقہ ہے اسے نگاہ میں رکھئے تو حساب لگا کر آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ کتنے لاکھ آدمیوں تک یہ دعوت پہنچائی گئی ہو گی، تب کہیں ۲۵ ہزار آدمی ایسے نکلے جنھوں نے باقاعدہ متفق بننا قبول کیا۔

— متاثرین آج لاکھوں ہیں اور معاشرے کا کوئی عنصر ایسا نہیں رہا ہے جس میں وہ کم یا زیادہ تناسب سے پائے جاتے ہوں۔ سرکاری محکموں کے ملازمین، تجار، اہلِ صنعت، وکلاء، طلبہ، اساتذہ

[1] یہ تعداد اجتماعِ عام ماچھی گوٹھ کے وقت تھی۔ اب ۱۲[illegible] سے زائد ہو چکی ہے۔

© rasailojaraid.com

اور پروفیسر، کاشتکار اور مزدور، شہری اور دیہاتی عوام، غرض کسی شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی اب ان اثرات سے خالی نہیں رہے ہیں۔ اور ان میں ایک کثیر تعداد ایسی ہے جو جماعت کے مقصد اور اس کے کام سے صرف گہری دلچسپی ہی نہیں رکھتی بلکہ اس کا اخلاقی اثر بھی قبول کر رہی ہے۔

—— دیہات تک میں یہ تحریک پھیل گئی ہے اور پھیلتی جا رہی ہے۔ پہلے دیہاتی علاقے اس سے بالکل خالی تھے۔ آج ان میں مضبوط حلقہائے متفقین منظم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

—— قریبی دور کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اتنے وسیع پیمانے پر عوام اور خواص کو اسلامی زندگی کی خصوصیات اور اسلامی ریاست کے واضح تصور سے آشنا کیا گیا۔ اس سے پہلے ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اس ملک کے عوام کو اس کثرت کے ساتھ ان امور کی تعلیم دی گئی ہو۔ اور دنیا کے کسی دوسرے مسلمان ملک ہی میں آج اس کی مثال پائی جاتی ہے بلکہ عوام الناس میں دستوری مسائل کا شعور پیدا کرنے کی اتنے بڑے پیمانے پر کوشش تو مغربی ممالک میں بھی کم ہی کبھی کی گئی ہے۔

—— علمی حلقوں پر ہماری تحریک جس حد تک اثر انداز ہوئی ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ پچھلے چند سال میں اسلام کے تصورِ ریاست، نظریۂ سیاسی، نظریۂ معاشی، نظامِ قانون اور نظامِ حیات سے جتنی کچھ بحث بھی ہوئی ہے وہ زیادہ تر انہی خطوط پر ہوئی ہے جو ہمارے لٹریچر میں پائے جاتے ہیں[1]۔ اب کوئی علمی اور تعلیمی ادارہ ایسا نہیں رہ گیا ہے جس میں

---

[1] پندرہ بیس سال پہلے ان موضوعات پر نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ دوسرے مسلم ممالک میں بھی جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا تقابل اگر بعد کے دور کی مطبوعات اور مضامین سے کیا جائے تو بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ آج ان مسائل کے متعلق اہلِ علم اور اہلِ قلم کے تصورات پہلے کی بہ نسبت کس قدر واضح ہیں اور ان میں اور جماعت اسلامی کے تصورات میں کتنی مماثلت پائی جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغربی مذہبِ فکر کے مقابلے میں اسلامی مذہبِ فکر کے حامی بھی موجود نہ ہوں اور افکار کی دنیا میں ایک کشمکش رونما نہ ہو چکی ہو۔

—— مشرقی پاکستان، جو تقسیم کے وقت تک اس تحریک سے قطعاً غیر متاثر تھا، اس دس سال کی جدوجہد کے نتیجے میں اس حد تک تیار ہو چکا ہے کہ آج اشتراکیت اور بنگالی قوم پرستی کے مقابلے کا بل بوتا اگر کسی تحریک میں ہے تو وہ تحریکِ اسلامی ہی ہے۔

—— دستور میں اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں کا تسلیم کر لیا جانا ایک صریح پیمانہ ہے جو یہ بتاتا ہے کہ اس دس سال کی مدت میں رائے عام کو کس حد تک اسلامی نظام کے حق میں ہموار کیا گیا ہے، غیر اسلامی رجحانات کی حامی اور علمبردار طاقتیں اپنے سیاسی اقتدار اور وسیع ذرائع کے باوجود کس حد تک پیچھے ہٹی ہیں، اور اسلامی رجحان کی طاقت کہاں تک آگے بڑھی ہے۔ جو لوگ اس چیز کو حقیر ثابت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ یہ دو رجحانات کی طاقت آزمائی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ صرف ایک طفل تسلی ہے، یا سیاسی پارٹیوں کے جوڑ توڑ سے پیدا ہو جانے والی ایک صورتِ حال کا اتفاقی نتیجہ ہے، یا بعض سیاسی لیڈروں کے اپنے ہی مذہبی رجحان کا ثمرہ ہے، وہ دراصل سخن پروری کے جوش میں حقائق کا انکار کرتے ہیں۔ پورے ۹ سال تک اس مسئلہ پر جو کشمکش علانیہ سارے ملک میں برپا رہی ہے، اور سیکولرزم کی حامی طاقتیں دستور میں اسلامی اصولوں کے اندراج کی مزاحمت جس طرح قدم قدم پر کرتی رہی ہیں اس کی تاریخ کچھ اتنی زیادہ پرانی تو نہیں ہے کہ آج کسی شخص کے دو چار فقرے اس کو جھٹلا دینے کے لئے کافی ہو جائیں۔ اس تاریخ کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ سیکولرزم کے علمبردار کس طرح بار بار اٹھ کر اسلامی رجحان کو دبانے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور کس طرح اسلامی رجحان نے آخرکار رائے عام کی حمایت سے ان کا منہ پھیرا ہے۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ آخر کون سی سخن آرائی اس امر واقعہ کو جھٹلا سکتی ہے کہ دستور کی تدوین کے آخری مرحلے میں ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک معاشرے کے ہر طبقے اور ہر عنصر نے بے نظیر اتفاق کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی دفعات کے اندراج کی پُرزور تائید کی تھی اور اسی نے اُن لوگوں کو یہ کڑوا گھونٹ حلق سے اتار نے پر مجبور کیا جو اسے پینے کی بہ نسبت زہر پی لینا زیادہ پسند کرتے تھے۔

—— دنیا بھر کے مسلم ممالک پر ہماری دعوت کا اچھا خاصا اثر پڑا ہے۔ ہمارے لٹریچر نے ان کے صرف افکار ہی پر اثر نہیں ڈالا ہے بلکہ ان کی تحریکات کو بھی عملاً متاثر کیا ہے اور متعدد نئے آزاد ہونے والے مسلمان ملکوں میں اسلامی ریاست کے قیام اور اسلامی دستور کی تدوین کا مطالبہ اسی طرز پر اٹھا ہے۔

میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا یہ امورِ واقعیہ ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں اور ان کی واقعیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تو آخر اس کام پر بھی "معاشرے کی تیاری" کے الفاظ کا کچھ اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ صرف ۷۵ ۳ آدمیوں کی ابتدائی طاقت سے کام شروع کر کے صرف دس سال کی مدت میں اور اتنی سخت مزاحم طاقتوں کے مقابلے میں آپ کس دوسرے طریقے سے اتنا کام کر سکتے تھے؟ اور اگر بہر حیثیت میں اتنے بڑے پیمانے پر کام نہ کیا گیا ہوتا تو کیا آج آپ ترکی سے کچھ بہتر پوزیشن میں ہوتے جہاں تیس سال کے بعد اب اس چیز کو غنیمت سمجھا جا رہا ہے کہ درسگاہوں میں مذہبی تعلیم کی اجازت مل گئی ہے اور کچھ مذہبی رسالوں کی اشاعت بھی گوارا کی جانے لگی ہے؟

نکتہ ہفتم اس کے بعد مجھے قرار داد کے ساتویں نکتے پر بحث کرنی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اس دس سال کی جدوجہد سے جو نتائج حاصل ہوئے ہیں اُن کے بعد لائحہ عمل کے کسی جُز کو ساقط یا معطل یا مؤخر کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ دستور میں دینی نظام کے جو بنیادی اصول اس قدر طویل کشمکش کے بعد منوائے گئے ہیں اب اصل کام ان کو ملک کے نظام میں عملاً نافذ کرانا ہے اور ان کا نفاذ بہر حال قیادت کی تبدیلی پر منحصر ہے۔ اس موقع پر ایک صالح قیادت صرف اسی طرح بروئے کار لائی جا سکتی ہے کہ ہم اپنے لائحہ عمل کے چاروں اجزا بیک وقت کام کریں اور توازن کے ساتھ ان چاروں گوشوں میں کام کرتے ہوئے اس طرح آگے بڑھیں کہ افکار کی تعمیر و تطہیر، صالح افراد کی تنظیم اور معاشرے کی اصلاح کا جتنا جتنا کام ہوتا جائے اسی نسبت سے ملک کے سیاسی نظام میں دین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے حامی عنصر کا نفوذ و اثر بھی بڑھتا جائے، اور سیاسی نظام میں حامی دین عنصر کا نفوذ و اثر جتنا جتنا بڑھتا جائے اسی قدر زیادہ قوت کے ساتھ تطہیر و تعمیرِ افکار اور تنظیم عناصر صالحہ اور اصلاحِ معاشرہ کا کام انجام دیا جائے۔ اس مرحلے پر لائحہ عمل کے کسی جزو کو ساقط کرنا کیا معنی، موخر کرنا بھی قابلِ تصور نہیں ہے۔

بحث کو مختصر کرنے کے لیے میں ابتداء ہی میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جہاں تک لائحہ عمل کے پہلے تین اجزاء کا تعلق ہے جماعت میں کسی ایک شخص کا بھی یہ خیال نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کو ساقط یا معطل یا موخر کیا جائے، اس لیے اس پر گفتگو کرنے کی سرے سے کوئی حاجت نہیں ہے۔ البتہ بعض لوگ جماعت میں ایسے پائے جاتے ہیں، جن کی خواہش یہ ہے کہ ایک اچھی خاصی طویل مدت کے لیے اس کے چوتھے جزء (نظامِ کار کی تبدیلی) کو چھوڑ کر صرف پہلے تین اجزاء پر کام کیا جائے۔ بلکہ بسا اوقات ان میں سے بعض حضرات کے طرزِ بحث سے تو یوں مترشح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس چوتھے جزء پر سرے سے کام کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، صرف پہلے تین اجزاء پر ہی کام کر کے معاشرے کو اس طرح تیار کرنا چاہیے کہ نظامِ حکومت میں تغیر بالکل ایک طبعی نتیجے کے طور پر خود بخود ہو جائے۔ لہٰذا ہمیں اپنی بحث اسی نقطۂ نظر کی تنقیح و تنقید پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ بجائے خود یہ نقطۂ نظر کہاں تک معقول ہے اور اپنی تحریک کے اس مرحلہ پر اگر ہم اپنے پروگرام کے سیاسی حصے کو ساقط یا معطل یا موخر کر دیں تو اس کے نتائج کیا ہوں گے۔

"خود بخود تبدیلی" کا نظریہ | اس سلسلے میں پہلی بات میں یہ عرض کروں گا کہ نظامِ سیاسی میں خود بخود تغیر ہو جانے اور قیادت کے آپ سے آپ بدل جانے کا عجیب و غریب تخیل تو میری فہم سے بالکل ہی بالاتر ہے۔ معاملہ اگر بخت و اتفاق کا ہو تو آدمی ہر حادثے کے ظہور کو ممکن مان سکتا ہے لیکن جہاں معاملہ مطلوب نتائج کے حصول کا ہو، میری ناقص فہم میں کسی نتیجۂ مطلوب کا بھی خود بخود برآمد ہو جانا ممکن نہیں ہے جب تک کہ انسان بالارادہ اُس کے لیے کوشش نہ کرے اور خاص طور پر اُن تدابیر کو استعمال نہ کرے جو اس مخصوص نتیجے کے لیے عقل اور فطرت اور دنیا کے تجربات کی رُو سے ضروری ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ اگر کسی قلعہ کو مسخر کرنا چاہتے ہوں تو بلاشبہ قلعہ شکن آلات فراہم کرنا، حملہ آور فوجوں کو تیار کرنا، لوگوں میں اس کی تسخیر کی خواہش پیدا کر دینا، سب کچھ اس کے لیے ضروری ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا کہ اس کام کے یہ مقدمات جب جمع ہو جائیں گے تو قلعہ خود ٹوٹ جائے گا یا قلعہ پر جو لوگ قابض ہیں وہ خود ایک روز آکر اس کی کنجیاں حوالے کر دیں گے، محض تخیل کی بلند پروازی ہے۔ قلعہ تو جب بھی مسخر ہوگا اسی طرح ہوگا کہ جو لوازم اور مقدمات اس کی تسخیر کے لیے آپ نے فراہم کیے ہیں اُن کو عملاً اس کام میں استعمال بھی کریں جو خواہش آپ نے اس کو مسخر کرنے کے لیے لوگوں میں پیدا کی ہے اسے واقعی تسخیر کے راستے پر لگائیں بھی جو آلات آپ نے قلعہ کے سامنے لا کر جمع کر دیئے ہیں ان سے فی الواقع قلعہ شکنی کا کام بھی لیں اور جو فوجیں آپ نے تیار کی ہیں انہیں لے کر حملہ آور بھی ہوں اور اہلِ قلعہ سے زور آزمائی بھی کریں۔ یہ کام اگر سرے سے آپ کی اسکیم ہی میں نہ ہو، بلکہ پہلے ہی سے دنیا کو یہ معلوم ہو کہ آپ "تیاریاں" کرنے اور "خواہشات" ابھار دینے سے آگے کچھ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے اور قلعہ پر حملہ آور ہونا آپ کے پروگرام ہی سے خارج ہے، تو میں نہیں سمجھتا کہ وہ سادہ لوح حریف آپ کو دنیا میں کہاں ملیں گے جو کسی وقت قلعہ خود بخود چھوڑ بھاگنے پر تیار ہو جائیں گے، بلکہ میرے علم میں تو ایسی سیدھی سادھی آبادی بھی دنیا میں کسی جگہ نہیں پائی جاتی جو ان خالی خولی تیاریوں کے کام میں سنجیدگی کے ساتھ آپ سے تعاون کرے گی اور آپ کے ابھارے کوئی خواہش اس کے اندر تسخیرِ قلعہ کے لیے اُبھر سکے گی۔

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ تقسیم سے پہلے اس خود بخود تبدیلی کا کوئی نسخہ جماعت اسلامی کے پاس تھا جسے تقسیم کے بعد جماعت گم کر بیٹھی ہے۔ جس چیز کو وہ اس نوعیت کا نسخہ سمجھ بیٹھے ہیں اس میں تو نظامِ باطل کے خلاف کشمکش اور فاسد قیادت کو ہٹانے کی جدوجہد کا جزو پوری طرح شامل تھا اور اس تخیل کا کوئی نشان اس میں نہیں پایا جاتا کہ اس جز کے بغیر نسخے کے دوسرے چند اجزا ہی استعمال کرنے سے نظامِ باطل خود جگہ چھوڑ دے گا اور اس کو چلانے والی قیادت آپ سے آپ مسندِ اقتدار سے ہٹ جائے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لائحہ عمل کے سیاسی جز کو ملتوی کرنے کے نتائج اس نظریے کو خارج از بحث کر دینے کے بعد زیادہ سے زیادہ جو تجویز قابل غور قرار پا سکتی وہ یہ ہے کہ ہم کسی معین یا غیر معین مدت کے لیے اپنے لائحہ عمل کے سیاسی جز یعنی تبدیلی قیادت کی براہ راست کوشش کو معطل یا مؤخر کر دیں۔ لیکن ایسا کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں یہ اچھی طرح دیکھ لینا چاہیے کہ اس کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں، اور اس کی فی الواقع کوئی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔

میرے نزدیک اس کا اولین نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے اس فیصلے کو سنتے ہی ملک کے وہ سب عوام اور خواص جو جماعت اسلامی سے اصلاح احوال کی کچھ امیدیں رکھتے ہیں، یکلخت مایوس ہو جائیں گے۔ سیاسی میدان سے پسپا ہونے کے بعد ان کی نگاہ میں یہ صرف ایک تبلیغی قسم کی جماعت بن کر رہ جائے گی اور ایسی کسی جماعت کو عوام تو درکنار خواص بھی کچھ زیادہ قابل اعتنا نہیں سمجھتے جو ان کو صرف اصلاح کے وعظ سناتے مگر آج جن مسائل سے وہ عملاً دوچار ہیں ان میں نہ دخل دے اور نہ ان کے حل کی ذمہ داری لے کر اُٹھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کام کو جتنی مدت کے لیے آپ ملتوی کریں گے، اتنی ہی مدت کے لیے لوگ بھی آپ کی باتوں کی طرف سنجیدگی کے ساتھ توجہ کرنا ملتوی کر دیں گے۔ بلکہ بعید نہیں کہ وہ آپ کے اس فیصلے کا یہ اثر لیں کہ یہ کوئی مراقی جماعت ہے جس پر کبھی ایک دورہ پڑتا ہے تو میدان میں آ کھڑی ہوتی ہے، اور کبھی کوئی دوسرا دورہ پڑ جاتا ہے تو یکلخت پسپا ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں مشکل ہی سے پھر کبھی عوام کا اعتماد آپ پر جم سکے گا۔

دوسرا نتیجہ اس فیصلے کا یہ ہوگا کہ خود جماعت کے ارکان اور متفقین کی بہت بڑی تعداد بد دل ہو جائے گی۔ میرا اندازہ ہے کہ اس طرح کا فیصلہ صرف ایک مخصوص مذاق کے دو تین فی صدی آدمیوں ہی کو مطمئن کر سکتا ہے، باقی وہ عظیم اکثریت جو اس عزم و ارادے کے ساتھ اس جماعت سے وابستہ ہوئی ہے کہ حق و باطل کی اس کشمکش کو آخری فیصلے کی حد تک پہنچا کر ہی دم لینا ہے، اس کو بد دلی میں مبتلا ہونے سے ہم کسی طرح نہ بچا سکیں گے۔

تیسرا نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ اس ملک میں حامی اسلام محاذ کمزور پڑ جائے گا۔ یہ بات کسی سے چھپی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گی نہیں ہے کہ اس محاذ پر کتنی اور کس کس قسم کی طاقتیں موجود ہیں؟ اُن میں سے ہر ایک کا حال بلحاظ نظم، بلحاظ صلاحیتِ عمل، بلحاظ عزم و ثبات و استقامت کیا ہے؟ اور ان کے درمیان جماعتِ اسلامی کا مقام کیا ہے؟ اب اگر یہ جماعت سیاسی میدان میں موجودہ قیادت کے راستے سے ہٹ جائے تو اس امر کا اندازہ کرنے کے لیے کسی بہت بڑی قوتِ فکر کی حاجت نہیں ہے کہ اس سے بحیثیتِ مجموعی حامیِ اسلام اور مخالفِ اسلام قوتوں کے توازن پر کیسا شدید اثر پڑے گا۔

اس کا چوتھا نتیجہ جو تیسرے نتیجے کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے، یہ ہوگا کہ مخالفِ اسلام طاقتیں بہت زیادہ تقویت پکڑ جائیں گی۔ آپ سب اس بات کو جانتے ہیں کہ اب تک کی کشمکش نے زیادہ سے زیادہ ان کو تھوڑا سا پسپا ہی کیا ہے، شکست نہیں دی ہے۔ حکومت کی مشینری پر انہی کا قبضہ ہے۔ پریس اور نشر و اشاعت کے ذرائع پر ان کی گرفت مضبوط ہے۔ معاشی زندگی پر بھی وہی چھائی ہوئی ہیں۔ رائے دہندوں کو دھوکے اور دھونس اور دھاندلی سے استعمال کرنے اور دھن سے خریدنے پر وہ پوری طرح قادر ہیں۔ ایک نیا دستور گھڑنے کے لیے وہ مختلف اشخاص اور اداروں کی بہت نرالی سکیمیں تیار کر رہی ہیں۔ اور مخلوط انتخاب کے ذریعہ سے انہوں نے دستور کے اسلامی گوشے میں نقب لگا دی ہے۔ ایک طویل کشمکش کے بعد آخر کار جو کچھ بھی مفید چیزیں اسلامی اغراض کے لیے دستورِ مملکت میں شامل کرائی گئی ہیں ان کے کارآمد ہونے کا انحصار اب اس پر ہے کہ رہنما اصولوں پر عمل ہو، قانونی کمیشن ٹھیک کام کرے، اور انتخابات کے ذریعہ سے ایسے لوگ اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں جائیں جو دین کے لیے کم از کم عملی ہمدردی تو رکھتے ہوں۔ یہ تینوں باتیں سخت جدوجہد اور موجودہ سیاسی قیادت پر پیہم دباؤ چاہتی ہیں۔ اگر جماعتِ اسلامی اس میدان سے ہٹ جائے اور اسلام کا حامی محاذ کمزور پڑ جائے تو اب تک کے سارے کیے دھرے پر پانی پھر جائے گا اور دستور کا اسلامی حصہ محض ایک کاغذ کا پرزہ رہ جائے گا، بلکہ عجب نہیں کہ وہ سرے سے حذف ہی کر دیا جائے۔ اس کے بعد بے دین قیادت خوب کھل کھیلے گی اور جماعت کی ہزیمت سے عوام کی سرد مہری دیکھ کر وہ اس امر کی ہر ممکن کوشش کرے گی کہ یہ جماعت پھر اس مقام پر واپس نہ آ سکے جہاں سے وہ خود ایک مرتبہ پیچھے ہٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چکی ہے۔ اس وقت اگر جماعت یہ چاہے بھی کہ اسلامی نظام کے حق میں کوئی تحریک اٹھا کر اس کو کارِ رخ پھیرے تو اس میں مشکل ہی سے وہ کامیاب ہو سکے گی کیونکہ عوام کو اپنے تدبّر اور معاملہ فہمی کا یہ نمونہ دکھا چکنے کے بعد ہمارا منہ کیا ہوگا کہ پھر ان کے سامنے اپیل کرنے کے لیے جائیں۔

علاوہ بریں میں جتنا بھی غور کر سکا ہوں میری سمجھ میں تو اب تک یہ بات نہیں آ سکی ہے کہ آخر اس کی مصلحت و ضرورت کیا ہے۔ دعوت و تبلیغ اور اصلاحِ معاشرہ کی کوششوں کا حاصل کیا ہوگا اگر ساتھ ساتھ اسی کے متوازی یہ کوشش بھی نہ ہوتی رہے کہ غیر اسلامی نظام کی حامی طاقتوں کو پیچھے دھکیل کر اسلامی نظام کی حامی طاقتیں زمامِ کار کے اختیارات پر تسلط حاصل کریں۔ اس کوشش کے نہ کرنے کا فائدہ کیا ہے اور اس کے کرنے کا نقصان کیا ہے؟ پھر یہ بات بھی میں نہیں سمجھ سکا ہوں کہ زمامِ کار کی تبدیلی کی خاطر سیاسی جد و جہد کے میدان میں اترنے کے لیے آپ اصلاحِ معاشرہ کے کتنے کام کی مقدار بطور شرط مقرر کریں گے اور کس پیمانے سے ناپیں گے کہ اس مقدار میں کام ہو چکا ہے یا نہیں ہوا؟

بقیہ رسائل و مسائل

میں اصلاح کے لیے منظم اجتماعی کوشش کرنا ناجائز تو کسی طرح نہیں ہے اور بعض صورتوں میں ایسا کرنا فرض بھی ہو جاتا ہے۔ اسے ناجائز قرار دینے کا خیال اسلامی ریاست کے فاسق حکمران کریں تو کریں، لیکن یہ عجیب بات ہوگی کہ اس کے صالح شہری بھی اسے ناجائز مان لیں، درآنحالیکہ اس کے عدمِ جواز کی کوئی شرعی دلیل سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اگر یہ چیز ناجائز ہو تو آخر ان ائمہ مجتہدین کا کیا مقام قرار پائے گا جنہوں نے بنی امیہ کے خلاف اٹھنے والوں کی خفیہ اور علانیہ تائید کی؟

نماز کے بارے میں شرعی حکم یہی ہے کہ جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہو وہاں کے لوگوں کو مسجد میں حاضر ہونا چاہیے، الا یہ کہ کوئی عذر شرعی مانع ہو۔ عذر شرعی یہ ہے کہ آدمی بیمار ہو یا اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی خطرہ لاحق ہو، یا کوئی ایسی چیز مانع ہو جس کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہو۔ بارش اور کیچڑ پانی ایسے ہی موانع میں سے ہے، چنانچہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اصحابہ اس حالت میں اذان کے ساتھ الا صلوا فی رحالکم کی آواز لگا دیتے تھے تاکہ لوگ اذان سن کر اپنی اپنی جگہ ہی نماز پڑھ لیں۔ جماعت کے لوگ اگر اجتماع کرتے رہیں، اور نماز با جماعت پڑھنے کی بجائے بعد میں فرداً فرداً نماز پڑھ لیا کریں، تو یہ چیز سخت قابلِ اعتراض ہے۔ اس کی اصلاح ہونی چاہیے۔

کاروبار میں جھوٹ بہت بڑا گناہ ہے حتیٰ کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ نفاق میں شمار کیا ہے۔ اس کے جواز کی گنجائش صرف اسی صورت میں نکلتی ہے جب کہ جھوٹ سے بڑی کسی برائی کو رفع کرنے کے لیے اس کی ضرورت ہو۔ مثلاً کسی مظلوم کو ظالم کے چنگل سے چھڑانا، یا میاں بیوی کے درمیان تعلقات کی خرابی کو روکنا وغیرہ۔

اگر کسی کے پاس مقدارِ نصاب سے کم سونا ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے خواہ اس کی قیمت چاندی کے نصاب کی قیمت سے کتنی ہی زیادہ ہو۔

کسی نماز میں کسی خاص سورت کا التزام کر لینا درست نہیں ہے۔ عادۃً پڑھنے میں مضائقہ نہیں۔ مگر کبھی کبھی اس کے خلاف بھی کر لینا چاہیے تاکہ بدعت کی سی صورت نہ پیدا ہو۔

فطرے کی مقدار میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں جو اوزان اور پیمانے اس وقت رائج تھے ان کو موجودہ زمانے کے اوزان اور پیمانوں کے مطابق بنانے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ مختلف اہلِ علم نے اپنی تحقیق سے جو کچھ اوزان بیان کیے ہیں، عام لوگ ان میں سے جس کے مطابق بھی فطرہ دیں گے، سبکدوش ہو جائیں گے۔ اس معاملہ میں زیادہ تشدد کی ضرورت نہیں ہے۔ فطرہ ہر اس شخص کو دینا چاہیے جو عید کے روز اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد فطرہ نکالنے کی استطاعت رکھتا ہو اور بیوی مستطیع ہو تو وہ بیوی ہی پر واجب ہوگا کیونکہ اس کے شوہر کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہے۔ لیکن میرے خیال میں اسے اولاد کا فطرہ نکالنا چاہیے۔

© rasailojaraid.com